۴ نیا شاعر اور زندگی کے مسائل

عمیقؔ حنفی

پیش درس

مضمون کی مختلف اقسام میں تنقیدی مضمون بھی شامل ہے۔ اس میں مضمون نگار فن پاروں اور تخلیق کاروں کے متعلق اظہارِ خیال کرتا ہے۔ لفظ تنقید 'نقد' سے ماخوذ ہے جس کے ایک معنی کھرے کھوٹے کی پرکھ ہے۔ ادبی تحریر کے مطالعے کے دوران عام قاری اکثر اس کی گہرائی تک نہیں پہنچ پاتا جس قدر ایک ناقد اس تخلیق کی خوبیوں اور خامیوں کو سمجھتا ہے۔ تنقید نگار ادب کے حسن و قبح کو اُجاگر کرنے کے علاوہ ادبی روایات اور اصناف کے اعتبار سے بھی اس کا مرتبہ طے کرتا ہے۔ وہ تجزیہ، تقابل اور تفہیم کے ذریعے ادب پارے کو سمجھنے اور تعینِ قدر میں قاری کی مدد کرتا ہے۔

تنقید کی مختلف اقسام ہیں۔ علاوہ ازیں ادبی تحریکات مثلاً ترقی پسند تحریک اور جدیدیت کی تحریک کے زیرِ اثر بھی ادب کو الگ الگ طرح سے جانچا اور پرکھا گیا ہے۔ مضامین کے علاوہ ادبی رجحانات کے اعتبار سے بھی مختلف ادیبوں، شاعروں، ڈراما نگاروں وغیرہ کے فن پر کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں ان کے ادبی کارناموں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ شعر کہنے یا شاعری کرنے سے شاعر کا مقصد صرف خیالی طوطا مینا بنانا ہرگز نہیں۔ شاعری تخیل سے ضرور نمود کرتی ہے لیکن شاعر کی تخلیقی باتوں کا گہرا تعلق اس کے اطراف کے ماحول، معاشرے کے نشیب و فراز اور اس کے متعدد مسائل سے لازمی طور پر ہوتا ہے۔ شاعر معاشرے کے مسائل سے متاثر ہو کر ہی انھیں اپنی نظموں اور شعروں کا موضوع بناتا ہے۔ شاعری میں زمانے کے مسائل کسی نہ کسی طرح ضرور بیان کیے ہوئے ملتے ہیں۔ واضح رہنا چاہیے کہ ایک زمانے کے مسائل دوسرے زمانے کے مسائل سے مختلف ہوتے ہیں۔ شاعر اپنے تخیل، اپنی بصیرت اور اپنے فنی خلوص کے پیشِ نظر ان مسائل پر اظہارِ خیال کرتا ہے۔ میرؔ و سوداؔ کے زمانے میں ہمارے ملک کے مسائل جیسے تھے، وہ آج نہیں پائے جاتے۔ اکبرؔ و اقبالؔ کے زمانے کے مسائل سردارؔ و فیضؔ کے معاشی، سیاسی اور تہذیبی مسئلوں سے قطعی مختلف ہیں۔

عمیقؔ حنفی ایک اہم جدید شاعر ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں انھوں نے عالمی پیمانے پر بدلتے ہوئے حالات کے پیشِ نظر موجودہ عہد کی شاعری کا تجزیہ کیا ہے۔ وہ اپنے زمانے میں شاعر پر نافذ کی گئی پابندیوں کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ سیاسی، مذہبی، معیشتی اور فلسفیانہ نظریات کا پابند ہو کر شاعر اپنے تخیل کا سچا اظہار نہیں کرسکتا۔ اسے فکر اور اظہار کی آزادی حاصل ہونی چاہیے۔

جان پہچان

عمیقؔ حنفی ۳؍ نومبر ۱۹۲۸ء کو مہو چھاؤنی ضلع اِندور (مدھیہ پردیش) میں پیدا ہوئے۔ اُن کا پورا نام عبدالعزیز حنفی تھا۔ عمیقؔ حنفی کی ابتدائی تعلیم مہو میں ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے وہ اندور گئے اور سیاسیات اور تاریخ میں ایم.اے. کیا۔ فلسفے سے انھیں خاص دلچسپی تھی۔ ان کے فکر و فن پر ان علوم کا اثر آخر تک قائم رہا۔ عمیقؔ حنفی نے طویل مدت تک آل انڈیا ریڈیو میں ملازمت کی۔ وہ اسٹیشن ڈائریکٹر کی حیثیت سے ۱۹۸۷ء میں سبکدوش ہوئے۔

عمیقؔ حنفی موسیقی کے بھی بڑے دل دادہ تھے۔ انھوں نے باقاعدگی سے موسیقی کا علم حاصل کیا تھا۔ اس فن کی باریکیوں پر انھوں نے بعض عمدہ مضامین لکھے ہیں۔ اُردو کے علاوہ انگریزی اور دیگر ہندوستانی زبانوں کے ادب پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔ 'شعلے کی شناخت' اور 'شعر چیزے دیگر است' ان کے تنقیدی مضامین پر مشتمل کتابیں ہیں۔

عمیقؔ حنفی نے اپنا ادبی سفر ترقی پسند تحریک کے عروج کے دور سے شروع کیا۔ ان کا پہلا مجموعۂ کلام 'سنگِ پیراہن' اسی دور سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے بعد وہ جدیدیت کے زیرِ اثر آ گئے۔ انھوں نے کئی شعری تجربے کیے اور متعدد طویل نظمیں بھی لکھیں جنھیں غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔ 'شب گشت' اور 'شجرِ صدا' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ ۱۳؍ اگست ۱۹۸۵ء کو عمیقؔ حنفی کا انتقال دہلی میں ہوا۔

ہمارے عہد کی معاشرت کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہماری زندگی کے تقریباً ہر شعبے پر سیاست کا غلبہ ہے۔ سائنس، صنعت، تجارت، فن، ادب، فلسفہ، مذہب، اخلاق، تعلیم سبھی کو سیاست نے اپنا محکوم بنا رکھا ہے۔ یہاں تک کہ اکثر اہلِ فن بھی سیاسی پارٹیوں کے مسلک اور طریق کار کو اپنا کر اپنے ذہن و احساس کا اظہار کرنے کی بجائے اربابِ بَست و کُشاد کی خوشنودی، اعزاز و انعام، سماجی احترام اور عزت حاصل کرنے کے لیے اپنے فن کو آلۂ کار بنائے ہوئے ہیں۔ غیر مشروط ذہن سے رونما ہونے والی تخلیقات کو دبا کر نقالوں، شعبدہ بازوں، بازیگروں اور عیاروں کی جعل سازیوں نے شور مچا رکھا ہے۔ کہیں سیاست میں ادب کی اور کہیں ادب میں سیاست کی بیساکھیاں لگائے ہوئے نااہل 'نورتن' بنے پھر رہے ہیں۔ سیاست کو میں نہ حقیر سمجھتا ہوں نہ حرام لیکن معاشرے میں اُسے شریکِ غالب کا درجہ دینا مجھے گوارا نہیں۔ سیاست سماج کی منتظم ہے۔ جان مال اور عزّت آبرو کی حفاظت اور اجتماعی فلاح و بہبود کے منصوبوں تک اسے برداشت کیا جا سکتا ہے۔ ربطِ ملت کے لیے فرد کا فنا ہونا ناگزیر نہیں ہے۔ سماج اس لیے نہیں ہے کہ افراد کو نگلنے والا وحشی درندہ بن جائے، ان کے چشم و گوش، دل و دماغ، زبان و دہن کو اپنا غلام بنائے اور انھیں کٹھ پتلیوں کی طرح نچائے۔

میں سوچتا ہوں کہ محض ادیب و شاعر اور دیگر فنونِ لطیفہ کے خلاق ہی آج انسان کے نہاں خانۂ ذات میں اُٹھنے والے طوفانوں اور ہنگاموں کو اپنے فن کے آئینے میں دکھا سکتے ہیں۔ ایک غیر مشروط اور آزاد شعور و احساس کی روشنی باہر اور اندر کے مناظر پر ڈال سکتے ہیں۔ تاریخ و جغرافیہ، مذہب و سیاست، رنگ و نسل میں بٹی ہوئی دنیا کو پھر سے اکائی بنا سکتے ہیں۔ بے شک سماج اور اس کی ملکہ سیاست نے میرے شعور کی پرورش اور تعلیم و تربیت اور میری شخصیت و کردار کی نشو و نما میں بہت اہم حصہ لیا ہے۔ سماج سے میرے جسم اور میرے ذہن کو غذا ملی ہے۔ پھر بھی میرا ذہن اور میری ذات غیر مشروط ہیں۔

میں سماج کا دشمن ہوں نہ حریف۔ میں ایک فرد ہوں اور فرد سماج کی بنیادی اور مرکزی اکائی ہوتا ہے۔ میں نراج کا آرزومند نہیں اور نہ تخریب برائے تخریب اور بغاوت برائے بغاوت کا قائل لیکن یہ ضرور چاہتا ہوں کہ سماج میرے آنگن میں اودھم نہ مچائے، میرے مطالعے کے کمرے میں اپنے پہرے دار نہ بٹھائے، میری عینک کا انتخاب میرے ڈاکٹر پر چھوڑ دے، میرے لیے خیالات والفاظ کا انتخاب نہ کرے۔ میرے لیے سیر گاہوں کا تعین نہ کرے اور میری شاعری کو اپنے استعمال کی شے اور اپنا آلۂ کار نہ سمجھے۔

میرے عہد کے تضادات میرے احساس کو پریشان رکھتے ہیں، میں چوبیس گھنٹوں میں اندور سے دہلی یا بمبئی پہنچ جاتا ہوں: فاصلہ کم ہو گیا ہے۔ دہلی یا بمبئی کے ہجومِ رواں میں مجھے کوئی قابلِ توجہ نہیں سمجھتا۔ کسی کا پتا پوچھتا ہوں، کوئی نہیں بتاتا: فاصلہ بڑھ گیا ہے۔ ریڈیو خبر دیتا ہے کہ دو ہزار میل دور بنگال میں سیلاب آیا اور ہزاروں لوگ غرق ہو گئے، بے شمار بستیاں تباہ ہو گئیں: باخبری بڑھ گئی ہے۔ میرے پڑوسی نے اطلاع دی ہے کہ ہمارے مکان سے کوئی دس پندرہ مکان چھوڑ کر جو جھونپڑی تھی، جل گئی اور اس میں رہنے والی بڑھیا جل کر مر گئی، بات ہفتہ بھر پہلے کی ہے: بے خبری بڑھ گئی ہے۔ سینما کے پردے پر ایک بلکتی ہوئی مظلوم عورت کو دیکھ کر میری آنکھیں بھر آئی ہیں: میں کتنا حساس اور دردمند ہوں۔ میرے گھر کے سامنے گرمی کی دوپہر میں ایک آدمی بے ہوش ہو کر گر پڑا ہے، میں نے دروازہ بند کر لیا ہے۔ کون پنچ نامے کے جھگڑے میں پڑے: میں کتنا بے حس اور بے درد ہوں۔ فتوحاتِ شمس و قمر کی خبریں ترقیات کو کلائمکس پر لے جا رہی ہیں۔ مٹی کا تیل خریدنے کے لیے دکان پر لگی ہوئی لائن میں سر پھٹول ہو رہی ہے۔ یہ میرا شعور ہے، احساس ہے جو میری شاعری کی اساس ہے۔

میں نے خبریں پڑھی ہیں کہ طب اور جرّاحی نے اعصابی مریضوں کو شفا بخشی ہے اور نفسیاتی تجزیوں کا بھرم کھول دیا ہے۔ عقیدت مندی شاملِ حال ہو تو سیانے، اوجھا، عامل، نجومی، پامِسٹ، قیافہ شناس اور حاضرات کے ماہرین بھی ماضی و مستقبل کے پردے اٹھا سکتے ہیں اور ان سب کو بھی اپنے اپنے شعبدوں پر سائنس ہونے کا دعویٰ ہے۔

میں مشرق اور مغرب کے فرق و امتیاز کو جغرافیائی مفروضے مانتا ہوں۔ سورج کے طلوع و غروب کے مقامات کا فرق انسانیت اور انسانی مسائل پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ کہیں صبح ہوتی ہے کہیں دوپہر، کہیں شام تو کہیں رات اور یہ سب بہ یک وقت ہوتا ہے۔ یورپ اور امریکہ کے شاعروں کے سامنے جو مسائل ہیں، ان کے درجات مختلف ہیں لیکن نوعیت ایک ہے۔ وہاں کے واقعات بے شک ہمارے لیے خبر ہیں۔ ہم ابھی ان مسائل سے اس شدت کے ساتھ دوچار نہیں ہوئے۔ میرے شہر میں کارخانے کی چمنی اور اونچا پیڑ متوازی خطوط ہیں۔ ماضی نہ یہاں زندہ ہے نہ مردہ۔ فطرت اور مشین کے مسائل بھی یہاں اتنے شدید نہیں ہیں۔ یہ وہ زندگی ہے جسے میں جیتا ہوں، دیکھتا ہوں، سوچتا ہوں، محسوس کرتا ہوں۔

میں جانتا ہوں کہ شاعری نیا موڑ لے چکی ہے اور اس میں اور زندگی میں بے تکلف، بے حجاب اور براہ راست رشتہ مستحکم ہو چکا ہے۔ آج کا شاعر اپنی بات کہتا ہے، اس کے پاس معمولات ہیں۔ معمولات پر غور و فکر اور تحقیق کر کے سائنس آج ابوالعلوم بن چکا ہے لیکن شعور اور احساس کی دنیا میں فنون و ادب نے سائنس کے طرزِ عمل کے بجائے سیاست کے سطحی طرزِ عمل کو اپنا کر اور اپنے آپ کو دوسروں کا پچھ لگو اور آلۂ کار بنا کر اپنی اہمیت، وقعت اور توقیر کو گھٹایا ہے۔ اب یہ نہ ہوگا۔ میری نظر میں فلسفی، سائنسداں، فنکار اور ادیب ہم مرتبہ ہیں۔

تکنالوجی نے سیاست اور تجارت کی اطاعت قبول کر کے انسان اور انسانیت میں جو خلیج پیدا کر دی ہے، اُسے پاٹنا ضروری ہے۔ مادّی ترقی کے نام پر استحصال و اقتدار کی جو 'پاگل دوڑ' جاری ہے، آخر اس کی منزلِ مقصود کہاں ہے؟ آسائش و رفتار حاصل کرنے میں جو کچھ ہم نے کھویا ہے، اس کی قدر و قیمت حاصل سے کم تھی یا زیادہ؟ بے شک تکنالوجی اور صنعت نے انسان کو شاہ مائڈَس بنا دیا ہے لیکن کہیں اس کا یہ زریں لمس اسے خود بے جان و بے روح سونے کی مورت نہ بنا دے۔ یہ تمام سوالات وہ ہیں جن کا کوئی جواب سیاست کے پاس نہیں ہے۔ میرے پاس بھی ان مسائل کا کوئی ریڈی میڈ حل نہیں ہے لیکن ان مسائل کے وجود کا احساس دلانے اور ان سوالات کو اپنے قارئین کے ذہنوں میں اگاتے رہنے میں کیا مضائقہ ہے؟ اپنی طویل نظموں میں بالخصوص میرا یہی مشغلہ رہا ہے۔

نئی شاعری اب تک تنظیم یا تحریک نہیں بنی ہے۔ نئے شاعر کسی منشور یا دستور العمل کے پابند نہیں ہیں۔ خلوص، دیانت اور ذہنی آزادی کی سطح پر ان کے فکر و احساس میں فطری طور پر یکسانیت اور ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ نئی شاعری پیشہ ہے نہ کاسہ، بیساکھی ہے نہ بانس کے پاؤں۔ اعزاز و انعام اس کا مقصد نہیں۔ یہ ایک مقدس فریضہ ہے جو نئے شاعروں کی اپنی اپنی ذات نے ان پر عائد کیا ہے۔

ہم لوگ ایک دوسرے کی تخلیقات سے محبت کرتے ہیں۔ تعریف، تنقید اور تردید کرنے میں لاگ اور لگاؤ سے کام نہیں لیتے۔ نئی شاعری کے لیے نئی تنقید کی ضرورت ہم بھی محسوس کرتے ہیں۔

میرے لیے شاعری محض فارم، تکنیک، اسٹائل اور ڈکشن کا نام نہیں ہے اور شاعری کے لیے محدود و مخصوص لفظیات پر اصرار کرنا

لغویت اور نہایت گھٹیا قسم کی عصبیت ہے۔ صاف ذہن اور ایمان دار و پُرخلوص شاعرانہ احساس، زبان و بیان، اسلوب و ہیئت کی عاقبت از خود سنوار دیتے ہیں۔ میں اپنی شاعری میں لفظوں کا استعمال کچھ اس طرح کرتا ہوں کہ معنویت کی دوہری پرتیں بن جاتی ہیں۔ ایک سطح پر ظاہری اور بصری حقائق سے لطف حاصل کیا جا سکتا ہے اور اگر دوسری سطح تک رسائی ہو جائے تو اصل مدعا کھل جاتا ہے اور ادراک، احساس اور فکر اپنا ابلاغ کرنے لگتے ہیں۔ اس طرح لفظ، لفظ بھی رہتا ہے اور علامت یا اشارہ بھی بن جاتا ہے۔

ہم عَروضی موزونیت کے عادی ہو گئے ہیں مگر اس کے بغیر بھی شاعری ممکن ہے اور مہذب زبانوں میں کی بھی جا رہی ہے۔ نئی معاشرت اور زندگی کی لَے کو اونٹ گھوڑوں کی ٹاپوں، بیل گاڑیوں اور رتھوں کی چالوں سے وضع کی ہوئی صدیوں پرانی بحریں گرفت میں نہیں لا سکتیں اس لیے انھیں توڑنا اور جھنجھوڑنا حلال و ثواب ہے۔

حادثات و واقعات، مجذوبوں اور شعبدہ بازوں کی ہجوم آفرینی سے ہٹ کر میں اپنے 'شعلے کی شناخت' کے لیے سرگرداں ہوں۔ میں جانتا ہوں، یہ وہ شعلہ نہیں ہے جو ویدک یگیہ کنڈ سے لپکا تھا۔ وہ بھی نہیں ہے جو آتش کدۂ ایران میں شب و روز روشن رہتا تھا۔ نہ وہ ہے جسے پرومیتھیوز چُرا کر عذاب میں مبتلا ہوا تھا اور نہ وہ جس نے کوہِ طور کو سرمہ بنا دیا تھا۔ بہر حال یہ ایک شعلہ ہے جو میرے وجود کا لباس بن گیا ہے۔ وجود سے خلا تک، خلا سے وجود تک اور دونوں کے درمیان اپنی شاعری کے وسیلے سے میں اسی شعلے کی شناخت کے لیے پھر رہا ہوں۔

معانی و اشارات

لفظ	معنی
مسلک	طریقہ
اربابِ بَست و کشاد	ذمے دار لوگ
غیر مشروط ذہن	ذہن جو کسی شرط کو نہیں مانتا
نو رتن بنا	اہمیت حاصل کر لینا، اہمیت جتانا
شریکِ غالب	بڑا شریک، جس کا حصہ زیادہ ہو
نہاں خانۂ ذات	اپنا اندرون
نراج	بے اُصولی
کلائمکس	عروج
پچھ لگو	چاپلوس
خلیج	دوری، فاصلہ
زریں لمس	چھونے سے ہر چیز کا سونا بن جانا
منشور	اُصولوں کا مجموعہ
دستور العمل	کام کرنے کے اُصول، منشور
ڈکشن	ادب میں لفظوں (زبان) کا استعمال
ظاہری اور بصری	نظر آنے والے
عَروضی	شعر کہنے کے لیے آوازوں کے وزن کے علم (علم عروض) سے متعلق
بحریں	شعر کہنے کے لیے آوازوں کا نظام
شعبدہ	نظر بندی، دھوکا، فریب، جادو کا کھیل
شعلے کی شناخت	مراد اپنی انفرادیت کی پہچان
یگیہ کنڈ	پوجا کے وقت آگ جلانے کا گڑھا

مشقی سرگرمیاں

* خاکے پر مبنی سرگرمیاں

★ سبق سے موزوں لفظ تلاش کر کے شبکی خاکے مکمل کیجیے۔

ا۔

۲۔

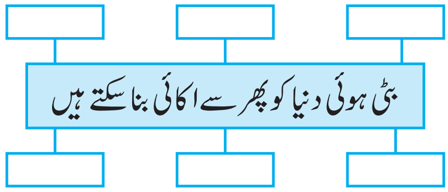

۳۔

* ہدایات کے مطابق درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

ا۔ تنقید کو مصنف جس نظریے سے دیکھتا ہے، اسے تحریر کیجیے۔

۲۔ سماج کے تعلق سے مصنف کے خیالات کو قلم بند کیجیے۔

۳۔ ادیبوں اور شاعروں سے مصنف کی توقعات تحریر کیجیے۔

۴۔ سیاست سے متعلق مصنف کے خیالات تحریر کیجیے۔

۵۔ نئی شاعری کے تعلق سے مصنف کے خیالات لکھیے۔

۶۔ مصنف نے اپنی شاعری کو جن دو سطحوں پر برتا ہے، اُسے لکھیے۔

* درج ذیل جملوں کی استحسانی وضاحت کیجیے۔

ا۔ اکثر اہل فن بھی سیاسی پارٹیوں کے مسلک اور طریق کار کو اپنا کر اپنے ذہن و احساس کا اظہار کرنے کی بجائے اربابِ بست وکشاد کی خوشنودی، اعزاز و انعام، سماجی احترام اور عزت حاصل کرنے کے لیے اپنے فن کو آلۂ کار بنائے ہوئے ہیں۔

۲۔ معمولات پر غوروفکر اور تحقیق کر کے سائنس آج ابوالعلوم بن چکا ہے لیکن شعور اور احساس کی دنیا میں فنون وادب نے سائنس کے طرزِ عمل کے بجائے سیاست کے سطحی طرزِ عمل کو اپنا کر اپنے آپ کو دوسروں کا پچھ لگو اور آلۂ کار بنا کر اپنی اہمیت، وقعت اور توقیر کو گھٹایا ہے۔

* ذیل میں دیے ہوئے موضوعات پر ذاتی رائے تحریر کیجیے۔

ا۔ مصنف کے اپنے بارے میں خیالات کا اظہار۔

۲۔ مصنف کے عہد کے تضادات کا احساس اسے پریشان رکھتا ہے۔

۳۔ موجودہ سماجی پس منظر میں بڑھتی ہوئی بے خبری۔

۴۔ سیاست اور ادب میں بیساکھیاں لگائے ہوئے نا اہل نورتن بنے پھر رہے ہیں۔

۵۔ سیانے، اوجھا، عامل، نجومی، پامسٹ، قیافہ شناس اور حاضرات کے ماہرین کا اپنے شعبدوں پر سائنس ہونے کا دعویٰ کرنا۔

* ہدایات کے مطابق درج ذیل قواعدی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

ا۔ درج ذیل محاوروں اور الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

استحصال، آنکھ بھر آنا، سرگرداں،
دوچار ہونا، خوشنودی، نورتن بننا

۲۔ ذیل کے جملوں کے 'طور' کی شناخت کیجیے۔

- ریڈیو خبر دیتا ہے۔
- میں نے خبریں پڑھی ہیں۔
- مجھے اطلاع دی گئی۔
- اُسے شریکِ غالب کا درجہ دینا مجھے گوارا نہیں۔
- بے شمار بستیاں تباہ ہو گئیں۔

۳۔ ذیل کو استفہامِ اقراری یا انکاری میں تحویل کیجیے۔

- ہمارے عہد کی معاشرت کا یہ سب سے بڑا المیہ ہے۔
- نئی شاعری اب تک تنظیم یا تحریک نہیں بنی ہے۔

- ٹکنالوجی اور صنعت نے انسان کو شاہ مائڈس بنا دیا ہے۔
- یہ وہ شعلہ نہیں ہے۔

۴۔ سبق سے واوِ عطف کی تراکیب کی فہرست تیار کیجیے۔

سرگرمی/منصوبہ:

۱۔ موجودہ عہد کے شعرا کے اچھے اشعار تلاش کر کے اپنی بیاض میں لکھیے۔

۲۔ آج کل حادثوں پر لوگ امداد کی بجائے فوٹو اور ویڈیو بنانا شروع کر دیتے ہیں۔ ذیل کے شعر کی روشنی میں اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

مرتے ہوؤں کا لوگ بناتے ہیں ویڈیو
ہنستے ہیں اُن کو بھیڑ میں لاچار دیکھ کر

۳۔ اُردو میں حادثوں پر کئی اشعار لکھے گئے ہیں۔ انھیں جمع کر کے اپنی بیاض میں لکھیے۔

۴۔ مضمون میں آنے والی آگ کی تلمیحات کی معلومات جمع کیجیے۔

اضافی معلومات

پرومیتھیوز

یونانی دیومالائی کہانی کے مطابق دیوتا زیوس نے انسانوں کو سزا دینے کے لیے زمین سے روشنی اور آگ کو ختم کر دیا۔ ایک زمانے تک لوگ اندھیرے میں جیتے رہے۔ تب پرومیتھیوز نامی ایک دیوزاد انسانوں کی مدد کے لیے آگے آیا۔ اس نے زیوس کے محل سے آگ چرالی اور دنیا میں لاکر اسے لوگوں تک پہنچا دیا۔ زیوس نے غصّے میں آ کر پرومیتھیوز کو گرفتار کروایا اور ایک چٹان سے اسے باندھ کر ایک خوفناک گدھ کو اس پر مسلط کر دیا۔ یہ گدھ پرومیتھیوز کے جگر کو نوچ نوچ کر کھاتا رہا۔ جب گدھ پورے جگر کو کھا چکتا تو نیا جگر پرومیتھیوز کے جسم میں پیدا ہو جاتا۔ گدھ اسے بھی کھاتا رہتا گویا انسانوں کی مدد کر کے پرومیتھیوز ایک مسلسل عذاب میں پھنس گیا۔ یہ گدھ قیامت تک اس کے جگر کو کھاتا رہے گا۔

اضافی معلومات

مائڈس
سونے کا دیوانہ بادشاہ

یونان میں مائڈس نامی ایک بادشاہ تھا جسے سونا جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ وہ اپنا سارا سونا محل کے تہ خانے میں رکھتا اور وہاں جاکر روز سونے کی اشرفیاں اور اینٹیں گنا کرتا۔ اس کو سونے سے اتنی محبت تھی کہ اس نے اپنی بیٹی کا نام 'میری گولڈ' رکھ دیا۔ یہ لڑکی چھوٹی سی چھوٹی چیز میں خوب صورتی دیکھ لیتی تھی۔ وہ کہتی، ''ابا جان! دیکھیے پھول کتنے خوب صورت ہیں۔'' تو بادشاہ کہتا، ''ہاں، لیکن یہ سونے جیسے چمک دار نہیں۔''

ایک دن کیا ہوا کہ صبح ہوتے ہی جوں ہی مائڈس نے اپنے بستر کو ہاتھ لگایا وہ سونے کا بن گیا۔ پھر وہ جس چیز کو چھوتا، وہ سونے کی بن جاتی۔ بادشاہ سارا محل گھومتا رہا اور ہر چیز کو چھوکر سونے کا بناتا رہا۔ جب اسے بھوک لگی اور اس نے جوں ہی لقمہ اُٹھایا، وہ بھی سونے کا بن گیا۔ اب تو بادشاہ نہایت غمگین ہوا۔ ساری غذا سونے کی بن چکی تھی۔ اتنے میں میری گولڈ کھیلتے کھیلتے بادشاہ کے پاس آئی اور پیار سے اس کے گلے لگ گئی۔ بادشاہ نے دور کرنے کے لیے جیسے ہی اسے چھوا، میری گولڈ بھی سونے کی بن گئی... بے جان اور ساکت۔ یہ دیکھ کر بادشاہ رونے لگا۔

پھر وہ سیدھا اپنے محل کی طرف چیختا ہوا بھاگا، ''نہیں چاہیے مجھے سونا... ایسی دولت کس کام کی جو میری ساری خوشیاں چھین لے۔ اے خدا مجھے پھر ایک عام سا انسان بنا دے۔ میری خوشی تو میری بیٹی ہے۔ میں سمجھ گیا کہ سونا خوشیاں نہیں خرید سکتا۔ میری بیٹی مجھے لوٹا دے۔ میری بیٹی مجھے لوٹا دے۔''

یہ کہتے کہتے بادشاہ کی آنکھ کھل گئی۔ ''ارے!'' اس نے تعجب سے کہا۔ ''یہ تو میں خواب دیکھ رہا تھا۔ اس خواب نے میری آنکھیں کھول دی۔ اب میں سونے کا لالچ کبھی نہ کروں گا۔''